www.KitaboSunnat.com

محمد عطاء اللہ صدیقی☆

فتنۂ مغربیت

تحریکِ نسواں ...... نظریات و اثرات

۸ رمارچ کو ہر سال عالمی سطح پر خواتین کا دن منایا جاتا ہے۔ تحریکِ آزادی نسواں کی علمبردار خواتین بے حد جوش و خروش سے جلسے جلوس کا اہتمام کرتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ بھی اس دن کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ پاکستان میں نسوانی حقوق کی علمبردار مغرب زدہ بیگمات اور این. جی. اوز کا نیٹ ورک اس دن کو منانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرتا ہے۔ ہمارے ذرائع اَبلاغ عام طور پر اس نام نہاد تحریک آزادیٔ نسواں کا صرف وہی رخ پیش کرتے ہیں جو مغربی میڈیا یا اس تحریک کی پرجوش مبلغات دکھانا چاہتی ہیں۔ اس تحریک کے اصل اسباب و عوامل پر نہ تو روشنی ڈالی جاتی ہے اور نہ ہی اس تحریک کے منفی اثرات و مضمرات کا ناقدانہ جائزہ لیا جاتا ہے۔ درج ذیل سطور میں اس تحریک کے حوالے سے تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گذشتہ تین صدیوں کے دوران یورپ میں سر اٹھانے والی بیشتر فکری تحریکوں مثلاً سیکولرازم، لبرل ازم، سوشلزم، فاشزم اور پھر تحریکِ نسواں (Feminism) میں ایک قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان تحریکوں کی بنیاد نفرت کے جذبات پر رکھی گئی۔ انہوں نے کسی ایک مبینہ ظالم کی نشان دہی کی اور پھر اس کے خاتمے کے لئے بھرپور جدوجہد شروع کردی۔ اشتراکیوں کے نزدیک نجی جائیداد اور اس کے مالکان اصل 'مجرم' تھے۔ فشار پسندوں (Anarchists) کے نزدیک ریاست ہی سب سے بڑا ظالمانہ اور جابرانہ ادارہ ہے جو فرد کی خوشیوں کا قاتل ہے لہٰذا اسے نہیں ہونا چاہئے۔ فاشسٹوں کے خیال میں لبرل پارلیمانی جمہوریت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ یورپ کے نسل پرستوں (Racists) کی رائے میں یہودی بطور قوم ان کی معاشی پریشانیوں کا اصل سبب تھے، اس لئے انہوں نے یہود کشی کو ان مسائل کا حل بتلایا۔ بقول فرڈیننڈ لنڈ برگ عورت پسندوں (Feminists) کے نزدیک تقریباً نصف انسانی نسل یعنی مرد ہی ظالم ہے، لہٰذا انہوں نے انکے خلاف محاذ کھول لیا۔

یورپ میں تحریکِ آزادیٔ نسواں کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب کے فوراً بعد ہوا۔ فرانسیسی انقلاب کے مفکرین کے نزدیک مساواتِ مرد وزن کا کوئی تصور نہ تھا۔ ان کی پیش کردہ 'مساوات' کے نعرے آزاد اور جائیداد رکھنے والے مردوں کے سیاسی حقوق تک ہی محدود تھے۔ روسو جیسا حریت و مساوات کا علمبردار عظیم فلاسفر بھی عورتوں کو مساوی حقوق دینے کے خلاف تھا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس کی انقلابی اسمبلی میں ایک رکن کانڈورسیٹ (Condorcet) نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ شہریوں کے حقوق میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اسے باغی قرار دے کر پھانسی دے دی گئی۔ مگر فرانسیسی انقلاب نے حریتِ فکر کا جو الاؤ گرم کیا تھا، اس کی تپش جلد ہی انگلش چینل کے پار بھی محسوس کی جانے لگی۔

۱۷۹۲ء میں ایک انگریز خاتون میری وولسٹن کرافٹ نے "وِنڈی کیشن (Vindication) آف دی رائٹس آف وومن" کے نام سے کتاب لکھ کر پہلی دفعہ بھرپور استدلال کے ساتھ عورتوں کے مساوی حقوق

☆ رکن مجلس ادارت ماہنامہ محدث، لاہور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بات کی۔ میری وولسٹن کرافٹ کو تحریکِ آزادیٔ نسواں کا بانی اور اس کی کتاب کو اس تحریک کے 'بائبل' ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ میری کرافٹ کا بنیادی استدلال یہ تھا کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں، اسی لئے انہیں یکساں تعلیم، یکساں سیاسی حقوق (ووٹ) کام کرنے کے یکساں مواقع اور ان کے لئے یکساں اَخلاقی ضابطے وضع کئے جائیں۔ لنڈ برگ کے خیال میں میری کی کتاب صرف ایک سحر انگیز رومانوی لفظ 'مساوات' کے گرد ہی گھومتی تھی۔

عورت کے فطری فرائض کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔ جنگِ عظیم دوم سے قبل یورپ میں بھی اکثریتی رائے یہی تھی۔ مگر مشرق و مغرب میں ہر زمانے میں عورتوں کی ایک محدود تعداد ایسی ضرور رہی ہے جسے چراغِ خانہ کی بجائے شمع محفل بننے میں زیادہ دلچسپی رہی ہے۔ گھر سے باہر کی زندگی انہیں بے حد پرکشش دکھائی دیتی ہے۔ ایسی عورتیں مردانہ اوصاف کی حامل ہوتی ہیں اور مردانہ فرائض کی ادائیگی میں انہیں یک گونہ مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ صنعتی انقلاب نے ایسی عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے کے شاندار مواقع فراہم کئے۔ یہی وہ ابنارمل عورتیں تھیں جنہوں نے مساواتِ مرد وزن کے غیر فطری تصور کو بالآخر ایک جذباتی تحریک کی شکل دے دی۔ رفتہ رفتہ اس تحریک کی قیادت ایسی عورتوں کے ہاتھ میں آگئی کہ جن کا اصل نصب العین جنسی آزادیوں کا حصول ہی رہ گیا۔ نسوانیت اور شرم و حیا ان کے خیال میں محض دقیانوسی خیالات تھے، جن کا مقصد عورت کو مستقلاً مرد کی غلامی میں جکڑ کر رکھنا تھا۔ فرڈیننڈ لنڈ برگ اپنی معروف کتاب "جدید عورت، صنفِ گم گشتہ" میں ایسی عورتوں کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

"حقوقِ نسواں کی علمبردار عورتیں نسوانیت سے نجات حاصل کرنے کا بھرپور تہیہ کئے ہوئے تھیں۔ ان کے خیال میں یہی نسوانیت ہی تھی جو ان کی سیاسی، معاشی، سماجی اور جنسی محرومیوں کا بنیادی سبب تھی"

وہ اس تحریک کی آئیڈیالوجی کے فروغ پانے کی وجوہات کا تعین کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"It was out of the disturbed libidinal organization of women that the ideology of feminism arose."

"یہ عورتوں کے جنسی اختلال کی بنا پر تھا کہ تحریکِ نسواں کا نظریہ آگے بڑھا"

وہ مزید لکھتا ہے:

"عورتوں کے دائرہ کار میں اصلاح کے پس پشت اصل بات یہ تھی کہ یہ عورتیں لاشعوری طور پر اپنی جنسی زندگی کے دائرے میں تبدیلی چاہتی تھیں۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو لاشعوری طور پر اپنے مغلوب یا تباہ ہونے کے خدشات کا شکار تھیں، انہوں نے اس مسئلے کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ٹھان لی"

انیسویں صدی میں تحریکِ نسواں کو قابل ذکر پذیرائی ۱۸۴۸ء میں ملی جب نیویارک کے نزدیک سینکا فال کے مقام پر باغیانہ مزاج رکھنے والی عورتوں نے پہلا حقوقِ نسواں کنونشن منعقد کیا۔ شرکا نے عورتوں کی 'غلامی' کی خوب دہائی دی اور مردوں کو برملا بے نقط سنائیں۔

خاندانی نظام کی تباہی اور شادی کی ضرورت کا خاتمہ، تحریکِ نسواں کے بنیادی اَہداف میں شامل رہا ہے۔ میری وولسٹن کرافٹ سے لے کر آج تک اس تحریک کی علمبردار تمام عورتوں نے خاندان کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چونکہ خاندان بطور ادارے کے مرد وزن کے آزادانہ اختلاط اور جنسی بے راہ روی کے راستے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک اہم رکاوٹ ہے، اسی لئے خاندانی ادارے کو اس تحریک کے علمبردار راستے کا پتھر سمجھتے ہیں۔ درج ذیل سطور میں پیش کردہ تحریکِ نسواں کی پرجوش مبلغات کے خیالات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ میری وولسٹن کرافٹ کے بعد جس خاتون نے شادی کے ادارے پر بھرپور حملہ کیا وہ جارج سینڈ (۱۸۷۶ء۔۱۸۰۴ء) تھیں۔ یہ خاتون انتہائی درجہ میں اعصابی اختلاج کی شکار تھی۔ ان کی زندگی کا سٹائل مردوں سے مشابہت رکھتا تھا۔ شادی کے ادارہ کے متعلق ان کا ارشاد ہے:

"میرے اس یقین میں کبھی کمی نہیں آئے گی کہ شادی کا ادارہ سب سے زیادہ قابل نفرت ادارہ ہے، مجھے ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ جب نوعِ انسانی عقل کی طرف سفر کرے گی تو شادی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا"

۲۔ انیسویں صدی کے وسط میں مسز ایبی۔ ایچ پرائس کا اس تحریک کے حوالے سے خاصا چرچا رہا۔ یہی وہ موصوفہ تھیں جو ۱۸۴۸ء کے عورتوں کے کنونشن کی روحِ رواں تھیں۔ انہوں نے مذکورہ کنونشن میں مطالبہ کیا کہ عورتوں کو ملازمتیں دی جائیں تاکہ وہ شادی کے جھنجھٹ اور معاشی انحصار سے اپنے آپ کو آزاد کر سکیں۔

۳۔ ۱۸۹۳ء میں الیزابرٹ گیمبل نے "عورت کا ارتقاء" کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ موصوفہ نے اپنی تحقیق کا نچوڑ یوں بیان کیا کہ "شادی نے عورت کو جنسی غلام بنا دیا ہے"

۴۔ جان اسٹورٹ مل نے "عورتوں کی محکومیت" کے نام سے معرکۃ الآرا کتاب لکھی۔ وہ حقوقِ نسواں کا جذباتی پرچارک تھا۔ اس کا یہ قول زبان زدِ عام رہا:

"شادی واحد غلامی کی صورت ہے جو اب تک ہمارے قانون کے تحت جائز ہے، نکاح کا بندھن قانونی رنڈی بازی کے مترادف ہے"

۵۔ چارلٹ میکمن کا قول ہے: "عورت اور مرد کے درمیان شادی کے بغیر جنسی تعلقات کو ہم بدکرداری نہیں سمجھتے"

۶۔ ڈبلیو آئی جارج نے ۱۹۱۳ء میں ایک مضمون میں اعلان کیا:

"تحریکِ نسواں کا اصل مقصد شادی کو ختم کرنا اور آزاد جنسی تعلقات کا قیام ہے"

۷۔ "میں غیر شادی شدہ اکیلی عورت کو قابل عزت سمجھتی ہوں۔ میری یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب شادی کے بغیر زندگی گزارنے والی اکیلی عورت شادی شدہ خواتین سے زیادہ قابل عزت سمجھی جائے گی" (مسز سلیسا برلے)

تحریکِ نسواں کی فکری دیگ کے یہ تو محض چند چاول ہیں، مگر ان سے یہ نتیجہ اَخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ تحریک بنیادی طور پر جنسی آوارگی اور شادی کے نتیجے میں وجود میں آنیوالے خاندانی نظام کی تباہی پر مبنی ہے۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں امریکہ اور یورپ میں رونما ہونے والے 'جنسی انقلاب' نے تحریکِ نسواں کے لئے آتش گیر مادے کا کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جب بے ٹی فرائیدن کی کتاب 'نسوانی راز' (Feminine Mystique) سامنے آئی تو اس سے تحریکِ نسواں کا مزاج ہیجان خیز بغاوت کی صورت اختیار کر گیا۔ اس دور کو "جدید عورت ازم" یا تحریکِ نسواں کا دوسرا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں تمام اَخلاقی قدروں اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ اس تحریک سے وابستہ خواتین مصنفین نے ہر موضوع پر بے حد بے باکانہ قلم درازی کی۔ ہر وہ بات جسے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت کی زبان یا قلم سے نکلنا نسوانی حیا کے تقاضوں کے منافی سمجھا جاتا تھا، اب انہوں نے روشن خیالی کے احساسِ تفاخر سے مملو ہو کر تحریر کی۔ جنس سے وابستہ شاید ہی کوئی رکیک خیال ہو جو ان کی شوخیٔ تحریر کی زد میں آنے سے بچ گیا ہو۔ اس دور کی چند نامور انقلابی خواتین میں کیٹ ملٹ (Kate Millat)، جرمین کریر (Germain Creer)، این کاڈٹ (Ann Koedit) ہیں۔ ان کی بعض کتابوں کے بے حد واہیات نام ہیں مثلاً جرمین کریر کی کتاب کا نام 'نسوانی ہیجڑے' (Female Eunuch) ہے۔

یورپ میں یوں تو ہر دور میں ہم جنس پرست (Lesbian) عورتوں نے تحریکِ نسواں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ لیکن ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ یہ عورتیں عملاً اس تحریک کے ہراول دستے پر قابض ہو گئیں۔ تحریکِ نسواں کی قیادت پر قابض ہونے کے بعد انہوں نے نئے نعرے تشکیل دیئے مثلاً

" Feminism is the theory, ... Lesbianism is the practice"

"Lesbian Feminism by Molly Mcgray" (p.179)

ترجمہ: "تحریکِ نسواں ایک نظریہ ہے اور ہم جنس پرستی اس کی عملی صورت ہے"

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مغرب میں عورتوں میں ہم جنس پرستی کا رواج دراصل مردوں سے نفرت کا اظہار اور ان کے مزعومہ تاریخی ظلم و ستم کے خلاف شدید ردِّ عمل ہے۔ ان عورتوں کے خیال میں مردوں کی رفیقۂ حیات بننا ان کی جنسی غلامی کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔ تحریکِ آزادیٔ نسواں میں شامل عورتوں کا ایک گروہ "Radical Feminists" کہلاتا ہے۔ یہ گروہِ نسواں مردوں کی تحقیر اپنا ایمان سمجھتا ہے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے میں انہی عورتوں نے ایسا لٹریچر پیدا کیا ہے جس میں اعلان کیا کہ اکیسویں صدی میں عورتوں کو مردوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ عورتیں افزائشِ نسل کیلئے حیوانات کی طرح مصنوعی تخم کاری "Artificial Insemination" کی تبلیغ کرتی ہیں۔

عورتوں کو مردوں کی غلامی سے نجات دلانے کے تصور سے برپا کی جانے والی نام نہاد تحریک آزادیٔ نسواں ہر اعتبار سے "آوارگیٔ نسواں" کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہ سازشِ بربادیٔ نسواں ہے۔ اس تحریک نے مغرب کو کیا دیا ہے؟ وہاں کا خاندانی نظام تباہی کے آخری کنارے پر ہے۔ یورپی معاشرہ جنسی ہوسناکی کی ٹکروہ تجربہ گاہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ نسوانی آبرو، شرم و حیا اپنا مفہوم کھو چکے ہیں۔ نکاح کے بغیر مرد و زن کے تعلق کو عیب نہیں سمجھا جاتا۔ حرامی بچوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ تقریباً ۸۰ فیصد شادیاں دو سال کے اندر اندر ہی طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں نفسیاتی امراض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بے نکاحی مائیں ویلفیئر کے ٹکڑوں پر پلنے پر مجبور ہیں، کیونکہ مرد حرامی بچوں کی پرورش میں شرکت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ مغرب کی عورت جس نے "گھر کی ملکہ" کے عہدے کو حقیر جانا اور خاندان میں مرد کی سربراہی کو قبول نہیں کیا، آج دفتروں میں مرد کی سیکرٹری کا ذلت آمیز فریضہ انجام دینے میں محض اس لئے عیب نہیں سمجھتی کہ وہاں سے تنخواہ کی صورت میں چند ٹکے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ خاندانی ماحول میں پیار و محبت، انس و مودّت اور ایثار و قربانی کے جذبات سے ایک ذہنی سکون اور نفسیاتی تسکین ملتی تھی۔ خاندانی اقدار کے زوال کی وجہ سے معاشرہ مادہ پرستی اور خود غرضانہ انفرادیت پسندی کی زد میں ہے۔ اس سے یورپی سماج کا اجتماعی ڈھانچہ انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی تباہ کن تحریک اور مرد و زن کی غیر فطری مساوات کے خلاف ردّ عمل ایک فطری عمل ہے۔[۲۱] تحریک کا شور و غل اور دھوم دھڑکا امریکہ میں نسبتاً زیادہ رہا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے خلاف باقاعدہ منظم رد عمل بھی پہلی مرتبہ امریکہ میں سامنے آیا۔ ۲۴/۳/۱۹۷۲ء میں امریکی کانگریس میں جب "مساوی حقوق کی ترمیم" Equal Rights Amendment. (ERA) کا بل پیش کیا گیا تو اس کے خلاف ردّ عمل نے تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ دنیا پر پہلی مرتبہ منکشف ہوا کہ "مساوی حقوق" کی علمبردار متحرک اقلیت کو امریکی عورتوں کی خاموش اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ E.R.A کی مخالفت میں اٹھنے والی تحریک کی قیادت امریکی ریاست نارتھ کیرونیا سے تعلق رکھنے والی خاتون مادام شیلا فلائی (Schlafly) کررہی تھیں۔ انہوں نے ریاست ہائے متحدہ کے طوفانی دورے کئے اور امریکی عورتوں میں یہ شعور پیدا کیا کہ ERA کے نتائج عورتوں کے حق میں نہیں ہوں گے۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں زور دے کر کہا:

"That a woman should be treated like a woman, not a man and certainly not a sex-neutral person."

"ایک عورت کے ساتھ برتاؤ ایک عورت سمجھ کر ہی کیا جانا چاہئے، نہ کہ ایک مرد کی حیثیت سے، اور صنفی شناخت کے بغیر شخص کے طور پر تو یقیناً نہیں"

مادام شیلا فلائی کی تحریک نے جلد ہی زور پکڑ لیا۔ ان کی حامی عورتوں نے ERA کے خلاف جلوس نکالے۔ وہ جو کتبے اٹھا کر چلتی تھیں، ان پر لکھا ہوتا تھا:

ترجمہ: "ہم مرد نہیں بننا چاہتیں" : "We don't want to be men"

(Sex Gender and politics of E.R.A by: Donald Mathew).

تحریکِ آزادیٔ نسواں کی مترجلات کے لئے امریکی عورتوں کی اس انداز میں مخالفت ایک عظیم صدمے سے کم نہ تھی۔ ان کے تمام تر پراپیگنڈے اور جارحانہ ہلڑ بازی اور امریکی ذرائع اَبلاغ کی پشت پناہی کے باوجود "مساوی حقوق کی ترمیم" منظور نہ ہوئی اور آج تک امریکی کانگریس سے یہ پاس نہیں کرائی جاسکی۔ تحریک نسواں کی مذکورہ بالا خرافات کے خلاف ردّ عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ کانگریس نے "عورتوں کے خلاف ہر طرح کے امتیازات ختم کرنے کے کنونشن" (سیڈا) کی آج تک توثیق نہیں کی ہے۔ اکانومسٹ نے دسمبر ۱۹۹۹ء کے ایک شمارے میں اسے امریکہ کے دوہرے معیارات سے منسوب کیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں "خاندانی اَقدار" کی بحالی پر زور سال بہ سال بڑھ رہا ہے۔ سابق برطانوی وزیراعظم جان میجر نے "بنیاد کی طرف واپسی" "Back to Basics" کا بارہا احساس دلایا۔

بلجیم کے ایک قانون دان جنہیں تحریکِ نسواں کی علمبردار 'مگرمچھ' کہہ کر پکارتی ہیں، خاندانی نظام کی بحالی کی زبردست تحریک چلائے ہوئے ہیں۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے دوسرے انتخابات میں تقاریر کے دوران 'خاندانی اَقدار' کی بحالی کو اپنی پالیسی کی ترجیحات قرار دیا۔ گذشتہ سال روزنامہ 'جنگ' میں ایک خبر شائع ہوئی جس میں کہا گیا کہ نیویارک کی عورتیں، کچن کے کام میں دوبارہ دلچسپی لے رہی ہیں کیونکہ اس کے بغیر وہ اچھے شوہروں کے حصول میں ناکام رہتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں اس نام نہاد تحریکِ آزادیٔ نسواں کے خلاف دانشور آواز بلند کررہے ہیں اور اس کے بھیانک نتائج کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راقم الحروف کی نگاہ سے اس تحریک کے نظریات کے خلاف ناقدانہ جائزہ پر مشتمل متعدد کتابیں گزری ہیں۔ ان میں فرڈیننڈ لنڈبرگ اور میری فارناہم کی مشترکہ کتاب "Modern woman -the lost sex" یعنی "جدید عورت، صنفِ گم گشتہ" بہت اہم ہے..... اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ تحریک نسواں کے عوامل، ارتقاء، نظریات اور منفی اثرات کا محققانہ اور عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنفین نے تحریکِ نسواں کی علمبردار عورتوں کو مردانہ صفات کی حامل (Manly-women) اور اعصابی اختلاج میں مبتلا قرار دیتے ہوئے انہیں یورپی معاشرے میں بے چینی اور ناراحتی کا بڑا سبب قرار دیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی کتاب "No more sex war" کے مصنف نیل لائنڈن نے تحریکِ نسواں کی غیر منطقی، غیر متوازن فکر اور اسکے منفی اثرات کو واضح کیا ہے۔ رونالڈ فلیچر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک کتاب کا عنوان ہے:

"The abolitionists: the family and marriage under attack."

ترجمہ: "استیصالیت پسند، خاندان اور شادی، حملہ کی زد میں"

اس محققانہ تالیف میں رونالڈ فلیچر نے مغرب میں خاندانی نظام کی تباہی کے ذمہ دار مختلف مکاتبِ فکر بالخصوص تحریکِ نسواں کی معروف خواتین کے افکار کا ناقدانہ جائزہ لے کر ان کی بھرپور مذمت کی ہے اور خاندانی نظام کی بحالی و تحفظ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد دیگر کتب، مضامین و رسائل ہیں، طوالت کی بنا پر ان کا تذکرہ ممکن نہیں ہے۔

مغرب کی تحریکِ آزادیٔ نسواں کی علمبردار خواتین کے احوال و ظروف اور ان کے افکار و نظریات کا معروضی اور مفصل مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کی رائے میں یہ تحریک سرے سے عام عورتوں کی تحریک ہی نہیں ہے۔ اس تحریک کی علمبردار خواتین کو اس اعتبار سے 'عورت' کہنا بھی محل نظر ہے، جس اعتبار سے اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے ایسی عورتوں کو 'نازن' قرار دیا۔ ان کا ایک معروف شعر ہے ؎

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازَن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ ہنر موت

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایسی عورتوں کے لئے 'مکشوفات' کی ترکیب استعمال کی۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی معروف کتاب "پاکستانی عورت، دوراہے پر" میں مردانہ صفات کی حامل ان عورتوں کو 'مترجلات' کا نام دیا۔ یعنی وہ عورتیں جو عورت کی بجائے رجل بننے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہوں۔ اس تحریک کو تحریکِ نسواں کی بجائے "تحریکِ نازَن" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مسلمان عورتوں کے لئے "تحریکِ نازَن" کا اتباع نہ صرف ان کے لئے اَخلاقی گمراہی کے گہرے غار میں گرنے کا باعث بنے گا، بلکہ ایک اسلامی معاشرے کو اَخلاقی زوال اور سماجی انتشار سے بالکل اسی طرح دوچار کردے گا جیسا کہ ہم یورپ کے معاملے میں دیکھ رہے ہیں۔ مگر پاکستان میں مغرب زدہ بیگمات کی ایک محترک اقلیت عورتوں کے حقوق کے فریب انگیز دعوے کے پردے میں یورپ کی "تحریکِ نازن" کو برپا کرنے کی کاوش میں مصروف ہے۔ وہ جن حقوق کی بات کر رہی ہیں اگر ان کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا منطقی نتیجہ جنسی بے راہ روی اور مرد و زَن کے آزادانہ اختلاط کے سوا کچھ اور نہیں نکلے گا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام عورت اور مرد کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی وفطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کا الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے۔ اسلام مرد وزن کی مساوات کو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے لیکن وہ مساوات اس مساوات سے یکسر مختلف ہے جس کی پرجوش تشہیر آج کے مغرب کا 'روشن خیال' مفکر یا تحریکِ نازن کے علمبردار کر رہے ہیں۔

پاکستان میں تحریکِ نسواں کی علمبردار این. جی. اوز پاکستانی خواتین کے حقیقی مسائل کی نشاندہی کی بجائے مغرب کی تحریکِ آوارگیٔ نسواں کی بھونڈی نقالی اور ان کے نظریات کی لغو جگالی میں مصروف ہیں۔ کوئی معقول پاکستانی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ "Marital Rape" (زوجہ سے زنا بالجبر) بھی پاکستانی خواتین کا کوئی مسئلہ ہے مگر ہماری این. جی. اوز کی بیگمات اس موضوع پر متعدد سیمینار منعقد کرا کے عورتوں کے خلاف اس مزعومہ 'ظلم' کے خاتمہ کا بارہا مطالبہ کر چکی ہیں۔ اگست ۱۹۹۷ء میں خواتین حقوق کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس 'جرم' کے مرتکب شوہروں کے لئے عمر قید کی سزا تجویز فرمائی۔ یاد ش بخیر اس کمیشن میں عاصمہ جہانگیر، شیلا ضیاء اور دیگر عورتوں کے حقوق کی علمبردار بیگمات شامل تھیں۔

ابھی حال ہی میں مغرب زدہ بیگمات نے خاتونِ خانہ کی محنت کے معاوضہ کو ان کے 'نسوانی حق' کے طور پر ذرائع ابلاغ میں خاص تشہیر دی ہے۔ ان 'روشن خیال' بیگمات نے یہ سوچنے کی زحمت کم ہی گوارا کی ہے کہ وہ ایک "گھر کی ملکہ" کو ایک گھریلو خادمہ کے حقیر مقام تک لانے کی بات کر رہی ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے حقوقِ نسواں کی علمبردار پاکستانی این. جی. اوز گھر سے فرار ہونے والی لڑکیوں کے عشق بازانہ نکاح کے 'حق' کا خوب پرچار کر رہی ہیں۔ صائمہ ارشد کیس نے تو مغرب زدہ بیگمات اور اسلام پسندوں کے درمیان ایک باقاعدہ 'قانونی جنگ' کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس فیصلے کے ہمارے خاندانی نظام پر شدید منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس کا اعتراف جسٹس خلیل رمدے صاحب بھی کر چکے ہیں۔ ۱۹۹۹ء کے دوران عالمی سطح پر "غیرت کے نام پر قتل" کے خلاف تحریک چلائی گئی۔ غیرت کے نام پر قتل کا لائسنس اسلام بھی نہیں دیتا، مگر جس طرح این. جی. اوز نے اس کے خلاف جارحانہ پراپیگنڈہ کیا، اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا اصل مقصود پاکستانی معاشرے سے غیرت کا جنازہ نکالنا ہے نہ کہ غیرت کے قتل کے خلاف احتجاج کرنا۔ انسانی حقوق کے علمبردار کسی بھی جرم کے لئے 'موت کی سزا' کی تو مخالفت کرتے ہیں مگر غیرت کے قتل کے مجرم کے لئے پاکستانی مغرب زدہ بیگمات نے عبرتناک سزائے موت کا تواتر سے مطالبہ کیا۔ پاکستان میں خواتین حقوق کی علمبردار اسمبلیوں اور ملازمتوں میں خواتین کی نصف نمائندگی کا مطالبہ بھی کر رہی ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ پاکستانی معاشرہ تو ایک طرف یورپی معاشرہ اپنی روشن خیالی کے باوجود اس تناسب کو ابھی تک حاصل نہیں کر سکا۔

پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے یہاں مرد وزن کے حقوق کا تعین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا جانا چاہئے۔ اسلام نے مرد وزن کے حقوق وفرائض کے بارے میں بے حد متوازن نظام عطا کیا ہے، مغرب کے سیکولر، لادین، مذہب بیزار، فحش انگیز، غیر متوازن اور ہیجان انگیز نظام کا اتباع بحیثیت قوم ہماری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ مغرب جن خاندانی اقدار کی بحالی کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، ہم ان اقدار کی تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے! ☆☆☆

[illegible]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ